حالات حاضرہ

بقاء امنِ عالم کی تحریکات پر ایک نظر

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

جنگ وجدل یا کسی ایک قبیلہ، قوم اور نسل کے لوگوں کی دوسرے قبیلہ، قوم یا نسل کے لوگوں کے خلاف جارحانہ یا مدافعانہ لشکر کشی کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے ان برائیوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکے جو انسان کی علمی ترقیوں اور ذہنی ارتقا کی بدولت عالم وجود میں آئی ہیں۔ اس کے برعکس انسان روز اوّل ہی سے غیر شعوری طور پر جس قابل ذکر کمزوری اور برائی میں مبتلا رہا ہے اسے جنگ وجدل ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زمانہ قبل از تاریخ کا انسان جنگ وجدل کے لئے جن وسائل سے کام لیا کرتا تھا وہ اپنی تباہ کاری اور ہلاکت آفرینی میں آج کے وسائل جنگ وجدل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتے اور اس دور کے مقاصد جنگ کو بھی عہد حاضر کے مقاصد جنگ کی طرح وسیع اور ہمہ گیر قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان ہر دو ادوار کے وسائل اور مقاصد جنگ کے مابین اختلاف کی موجودگی سے یہ امر لازم نہیں ہو جاتا ہے کہ عہد قدیم کا انسان جنگ وجدل کے تصورات سے قطعاً محروم تھا لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذہن انسانی کے ارتقا کی بدولت جہاں انسانی زندگی کے بے شمار شعبوں کی ایک منظم ترتیب پیدا ہوتی رہی ہے وہیں اس کی حیات اجتماعی کے مختلف ادوار میں جنگ وجدل کے تصورات بھی ایک مرتب اور منظم شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آج جنگ وجدل نے اقوام عالم کی زندگی میں ایک مستقل حکمت اور فلسفہ کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ کے انسان کو جب کبھی یہ خطرہ لاحق ہوتا ہوگا کہ کوئی درندہ اس پر حملہ آور ہونے والا ہے یا اسی جیسا کوئی انسان اسے اس کی ضرورت کی کسی شے سے محروم کردینے کا

ارادہ کر رہا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اپنی جان یا اپنی ضرورت کی چیزوں کی حفاظت کے لئے اس درندہ پالنے ہی جیسے اس انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہوگا اور اس مقابلہ کے دوران میں اسلحہ کے طور پر پتھروں اور درختوں سے توڑی ہوئی موٹی موٹی شاخوں کے علاوہ اور کوئی شے استعمال نہ کی جاتی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی لڑائیوں اور مقابلوں سے فریقین کے علاوہ کسی اور کو کوئی نقصان نہ پہونچتا ہوگا اور اسی لئے اس دفعہ کے انسان کو کبھی یہ بات سوچنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئی ہوگی کہ اس قسم کی لڑائیوں کو روکنے کے لیئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ مگر آہستہ آہستہ جب ان لڑائیوں کے مقاصد اور وسائل میں وسعت پیدا ہونا شروع ہوگئی اور اسی نسبت سے انسان کے مختلف طبقات پر جنگ و جدل کے تباہ کن اثرات مرتب ہونے لگے تو بعض لوگوں نے جنگ و خونریزی کی تدابیر پر بھی غور کرنا شروع کیا اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ ہی میں جنگ و جدل کی مخالفت شروع ہوگئی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ آج کرۂ ارض کے مختلف گوشوں میں پیسیف ازم کے نام سے جنگ آزمائی کے خلاف جو تحریک جاری ہے وہ بیسویں صدی عیسوی ہی میں عالم وجود میں آئی ہے اور پیسیف ازم یعنی فلسفۂ امن خواہی ہر قسم کی منظم لڑائیوں کا شدید مخالف ہے۔ اور اس فلسفہ کو ماننے والے انسان کے طبعی اتحاد کے قائل ہیں۔ وہ جنگ و جدال کو اجتماعی قتل و غارت گری سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جنگ کسی حال میں بھی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا۔ وہ جنگ کو تنازعات طے کرانے اور شکایات دور کرنے کا منطقی ذریعہ تصور نہیں کرتے بلکہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ تحریک بہت قدیم ہے اور اسے قرون وسطیٰ کے طویل محاربات کا ردِ عمل تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اس عہد میں بھی بہت سے افراد جنگ و جدل کے شدید مخالف واقع ہوئے تھے۔ مشرق میں بودھ اور جین مذاہب جنگ و خونریزی کے شدید ترین مخالف اور بقاء امن کے زبردست ترین حامی اور مبلغ تھے اور مغرب میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کے مذہبی انقلابات کے بعد ایسی متعدد تحریکات کا پتہ چلتا ہے جو جنگ و جدل ہی کو نہیں بلکہ ہر قسم کے متشددانہ اقدامات کو مسیحی تعلیمات کے خلاف قرار دیتی تھیں۔ چنانچہ جرمنی، ہالینڈ، پولینڈ، بوہیمیا اور انگلستان کے آنا بیپٹسٹ، مینونائٹ، پولش برادرز نیز سوسینی آن، بوہیمین برادرز اور کوئیکرز

نامی فرقے اِس عہد کے ممتاز امن خواہ اور مخالف جنگ فرقے تصور کئے جاتے تھے ۔ اور پھر ان فرقوں نے نہ صرف فوجی خدمات ہی انجام دینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ بعض نے اس بنا ٹیکس دینا بھی بند کر دیا تھا کہ حکومت ٹیکس کی آمدنی سے فوجی سپاہیوں کے مصارف برداشت کرتی ہے ۔

پھر انیسویں صدی عیسوی کی لڑائیوں کے دوران میں براعظم یورپ کے جو لوگ ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بدولت جنگ کی تباہ کاریوں کے قائل ہوگئے تھے انہوں نے "ادارۂ احباب" کے نام سے ایک بین الاقوامی جماعت قائم کر کے ازمنۂ وسطیٰ اور عہد حاضر کی تحریکات بقاءِ امن کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اب برطانیہ، امریکہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک میں "مجالس امن" کے نام سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ متعدد جماعتیں قائم ہیں اس تحریک کے حامی اور داعی جنگ کے زمانہ میں فوجی خدمات انجام دینے سے انکار کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اگر انہیں اس جرم کی پاداش میں ملکی قانون کی رو سے کوئی سزا بھی دیجائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں اور زمانۂ امن میں یہ لوگ جنگ کی تباہ کاریوں کو بے نقاب کر کے لوگوں کو جنگ کی مخالفت پر متحد اترائے بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں ۔ چنانچہ ڈاکٹر بشیمن نے ۱۹۳۰ء میں مورل ری آرممنٹ" یعنی اخلاقی اسلحہ بندی یا تجدید اخلاق کے نام سے جو تحریک شروع کی تھی اور جس کے حامی آج دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں اگرچہ بظاہر اس کی بنیاد مسیحی تعلیمات پر قائم ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد بھی انسان کے اخلاق کو بلند کر کے اسے جنگ وجدل سے باز رکھنا ہی ہے ۔ لیکن کیا یہ امر انتہائی حیرت انگیز اور افسوسناک نہیں کہ بقاء امن کی متعدد عالمگیر تحریکات کی موجودگی کے باوجود بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل ہی میں دنیا کو دو ایسی عظیم اور خونریز لڑائیوں کے دور سے گذرنا پڑا ہے جنکی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں لہٰذا یہی وجہ ہے جس پر غور کرنے کے بعد نہ صرف بقاء امن کی مذکورہ بالا تمام تحریکات کی ناکامی ہی واضح ہوجاتی ہے بلکہ وہ صورت بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو مستقبل میں انسان کو جنگ و خونریزی سے محفوظ رکھ کر پائدار امن کی ضامن ثابت ہو سکتی ہے ۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زمانۂ قبل از تاریخ سے عہد حاضر کے آغاز تک جسقدر جنگ اور خونریزیاں برپا ہوتی رہی ہیں اگرچہ شعورِ انسانی کے ارتقا کے ہر دور میں ان کے مقاصد ووسائل اور ان کی

تباہ کاریوں کی حدود ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں لیکن ان میں سے کسی جنگ اور تصادم نے کسی دور میں بھی عوام کی زندگی پر وہ ہمہ گیر تخریبی اثرات مرتب نہیں کئے جو گذشتہ دو عالمگیر لڑائیوں کی بدولت رونما ہوئے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ بیسویں صدی عیسوی سے قبل جو لڑائیاں برپا ہوا کرتی تھیں چونکہ وہ حکمراں اور صاحب اقتدار طبقوں ہی تک محدود رہتی تھیں اس لئے فتح وشکست دونوں صورتوں میں عوام بہت بڑی حد تک ان کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے تھے لیکن آج جبکہ مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ وجدل کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے عوام پہلے سے کہیں زیادہ جنگ کے ہولناک اور تباہ کن اثرات کا شکار ہوتے ہیں اور اسی لئے ازمنۂ وسطیٰ اور اس کے بعد کے زمانوں کی تحریکات بقائے امن سے مایوس ہوکر کوئی ایسی تدبیر سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں جو مستقبل میں انہیں جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ ومامون رکھ سکے۔ اور اس سلسلہ میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کی حقیقت اور اہمیت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی قوت وطاقت کیا ہے جو عہد حاضر کی لڑائیوں میں فتح وکامرانی کی ضامن ثابت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مخصوص حالات کے علاوہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ہر دور میں معاشرہ کے بعض مخصوص طبقات ہی جنگ وجدل ہی کی قیادت کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حالات پیش نظر ہے لیکن چونکہ آج مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ کا دائرہ بے حد وسیع ہوچکا ہے اس لئے ماضی کے برعکس آج کوئی چھوٹی سے چھوٹی لڑائی بھی عوام کے پورے تعاون اور اشتراک عمل کے بغیر فتح ونصرت کی منزل تک نہیں پہونچ سکتی اور اس لئے عوام کا تعاون اور اشتراک عمل ہی وہ بنیادی قوت ہے جس کو متحرک کئے بغیر جنگ وجدل کے حامی طبقات بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر دنیا کے عوام ہی جنگ وجدل کی مخالفت پر کمربستہ ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ جنگ باز طبقوں کے قوی عمل بھی مضمحل ومعطل ہوکر رہ جائیں گے اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دنیا کے عوام نے مستقبل میں جنگ وخونریزی کو ناممکن بنانے کے لئے جو تدبیر سوچی ہے وہ حالات کے مذکورہ بالا منطقی تجزیہ ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایک جانب تو دنیا کے عوام خود اپنی اپنی جگہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ تیسری عالمگیر جنگ برپا کرانے کے سلسلے میں جنگ باز طبقوں اور گروہوں کے ہر اقدام کی شدید ترین مخالفت اور مزاحمت کریں گے۔ اور دوسرے

دنیا کے ان طاقتور ممالک کو جن کے تعاون باہمی پر بقائے امن عالم کا انحصار ہے اس امر پر مجبور کر دیں گے کہ وہ صرف موجودہ بین الاقوامی تنازعات ہی کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کریں بلکہ مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو معدوم کرنے کے لئے بقائے امن کا ایک مستقل معاہدہ بھی کریں۔

بقائے امنِ عالم کی یہ عوامی تحریک اگرچہ آج سے کم و بیش ڈھائی سال قبل ہی شروع ہوئی ہے لیکن اصابت کی بنا پر اس قلیل سی مدت ہی میں اس نے ہمہ گیر حیثیت حاصل کر لی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ کے کروڑوں باشندے اپنے اپنے ملک کی حکومتوں ادارہ اقوام متحدہ اور دنیا کے پانچ بڑے ممالک —— متحدہ امریکہ، سوویٹ یونین، چین، برطانیہ اور فرانس —— سے اس امر کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام ذیٹمی اسلحہ کے استعمال کو ممنوع قرار دینے، اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کو روک دینے، موجودہ مسلح افواج میں تخفیف کرانے اور جنگ باز طبقات کی طرف سے جنگ کی حمایت میں جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسے خلاف قانون قرار دینے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس طرح مستقبل میں جنگ کے ہر امکان کو قطعاً معدوم کر دیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بقاء امن عالم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا عوامی تحریک میں جو قوت کارفرما ہے پیسیفزم اور اسی قسم کی دوسری تحریکات میں وہ قوت موجود نہیں ہو سکتی تھی اور اسی لئے بقاء امن کی متعدد تحریکات کی موجودگی کے باوجود موجودہ صدی کے نصف اول میں برپا ہونے والی دو عالمگیر لڑائیوں کو بھی نہیں روکا جا سکتا تھا لیکن چونکہ بقاء امن کی یہ نئی تحریک عوام کے عزم مخالفت جنگ اور حصولِ مقصد کے لئے ان کے جذبۂ عمل پر مبنی ہے اس لئے اسی تحریک کو بقاء امن عالم کی حقیقی تحریک کہا جا سکتا ہے اور گذشتہ دو سال کی مدت میں عالمگیر جنگ برپا ہونے یا ایٹمی اسلحہ سے کام لینے کے جو مواقع پیدا ہوتے رہے ہیں اگر بین الاقوامی جنگ باز طبقے انھیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال نہیں کر سکے تو اس کے لئے بھی دنیا کو بقاء امن کی اسی عوامی تحریک کا مرہونِ منت ہونا چاہئے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں معلوم ہوتی کہ بقاء امن عالم کی یہ عوامی تحریک دنیا کے

عوام کی کتنی بڑی تعداد پر اثر انداز ہو چکی ہے اور دنیا کے کس کس ملک نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کیا کیا اقدامات کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ کی مجلس عمومی پر تخفیف اسلحہ اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور استعمال پر بین الاقوامی نگرانی قائم کرنے کی جن تجاویز پر غور کیا جا رہا ہے وہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہیں لیکن جب تک اس سلسلہ میں دنیا کے عوام کے تمام مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو مسدود بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سیماب اکبرآبادیؒ کا غیر فانی کارنامۂ عظیم

وحیٔ منظوم

یعنی منظوم ترجمۂ قرآن مرقوم مع معانی و مفہوم

اب سے کئی سال قبل علامہ سیمابؒ نے قرآن مجید کے تیسوں پاروں کا منظوم ترجمہ فرمایا تھا جسے ہند و پاک کے مشاہیر و مستند علماء و فضلاء مولانا سید حسین احمد مدنی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری۔ مولانا محمد میاں، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ مولانا احمد علی لاہوری۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد نعیم لدھیانوی۔ مولانا محمد ادریس۔ مولانا محمد صادق وغیرہ نے نہ صرف پسند فرمایا تھا بلکہ اسے مستند بھی قرار دیا تھا۔ ہزارہا شائقین کے پیہم اصرار پر تیسواں پارہ اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر نمونتاً طبع کر لیا گیا ہے جس کا ہر صفحہ رنگین بلاکسی کی عکسی طباعت سے مزین ہے۔ اس منظوم ترجمہ کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تیرہ سو سال بعد یہ پہلی کامیاب اور مستحسن کوشش ہے۔ یہ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے منثور ترجموں کی روشنی میں منظوم کیا گیا ہے۔ ایک صفحہ پر جلی قلم سے قرآن کی سورتیں ہیں اور اس کے سامنے دوسرے صفحے پر منظوم ترجمہ۔ ترجمہ اتنا سلیس، ایسا دلنشین اور روح پرور ہے کہ تلاوت کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ منظوم ترجمہ کے مطالعہ سے روح جھومنے لگتی ہے۔ آخر میں علماء عہد حاضر کی گرامی آراء بھی دے دی گئی ہیں۔ ہدیہ صرف دو روپیہ۔ محصول رجسٹری ۸/

(وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔ منی آرڈر پر اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھئے)

منیجر مکتبۂ قصر الادب۔ دفتر شاعر پوسٹ بکس ۵۲۶ بمبئی ۸